Fikr-o-Nasar (Islamabad) vol. 1:11 (1964)
© rasailojaraid.com

اقبال کے فلسفۂ خیر و شر پر ایک لمحۂ تفکر

ڈاکٹر فضل الرحمٰن

[مرکزی مجلس اقبال لاہور کے زیرِ اہتمام "یوم اقبال" کی تقریب پر منعقدہ اجلاس کی تقریر]

میں نے پچھلے سال اس موقع پر اقبال کے فلسفۂ حقیقت اور اس فلسفہ کے اسلامی اور قرآنی ہونے کے متعلق ایک مختصر گفتگو کی تھی۔ اب میں آپ کے سامنے اس فلسفہ کے ایک اہم اور بنیادی پہلو کو ذرا تفصیلی جائزے کے لئے لونگا جس کا براہ راست تعلق ہماری قومی زندگی سے ہے۔ اور پہلے اس کو سمجھنے کے لئے اس کی تصوراتی تحلیل کروں گا۔ پھر اس کو آپ کے سامنے قرآن کی روشنی میں پیش کرنے کی کوشش کروں گا تاکہ یہ بالکل واضح ہو جائے کہ اقبال کے فلسفہ کا ہر گوشہ چاہے وہ بظاہر کتنا ہی محض جدید نظریات کے سباق و سباق کی پیداوار نظر آئے اپنے رگ و ریشے تک اسلامی ہوتا ہے۔

پچھلے سال ہم نے دیکھا تھا کہ اقبال کے نزدیک حقیقت کی سب سے بنیادی خصوصیت اس کا مسلسل پھیلاؤ ہے۔ زندگی کا سب سے نمایاں پہلو اس کا لامتناہی طور پر بڑھنا، پھلنا اور پھولنا ہے یہ نمو کی دائمی حرکت مقصدیت سے خالی نہیں ہوتی بلکہ خود اس حرکت کے اندر مقصدیت جنم لیتی ہے۔ کہیں باہر سے اس حرکت پر چسپاں نہیں کی جاتی۔ آج ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ زندگی کی یہ بنیادی حرکت ایک طرفہ نہیں بلکہ دو عناصر میں تصادم کا نتیجہ ہوتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ یہ حرکتِ نمو ایسی آسانی سے آگے کی طرف نہیں بڑھ جاتی بلکہ ہر لمحہ اور ہر قدم پر اس کو معرکہ آزمائی کرنا پڑتی ہے۔ اس معرکہ آزمائی کی اصلی وجہ آج تک کوئی انسان نہ جان سکا اور غالباً نہ جان سکے گا۔ لیکن خود اس معرکے کے وجود کے متعلق کسی کو شبہ نہیں۔ اگر مفکروں میں اختلاف اور تفاوت رہا ہے تو وہ اس کارزارِ حیات کی نوعیت کے متعلق رہا ہے کسی نے کہا کہ یہ کارزارِ خیر و شر اور معرکۂ حق و باطل اگر نہ ہی ہوتا تو کیا بہتر تھا کتنے آرام سے زندگی گزرتی۔ یہ فی نفسہٖ ایک بری چیز ہے۔ لہٰذا ہماری زندگی کا اولین مقصد خود اس معرکہ و جدال سے نجات حاصل کرنا ہے۔ مشرقیوں میں بالعموم بدھ مت کے پیرو اور مغربیوں میں رواقی مذہب کے فلسفی اس مسلک کے پیرو معلوم ہوتے ہیں۔ ایک دوسرا گروہ کہتا ہے کہ اس جدال سے مفر نہیں یہ ایک شر ہے لیکن ایک ضروری شر ہے۔ لہٰذا جب تک زندہ ہیں اس سے چھٹکارا نہیں بہتر یہ ہے کہ زندگی سے خلاصی حاصل کی جائے۔ اگر ممکن ہو تو زندگی میں موت اختیار کی جائے۔ ہندوؤں کا ایک گروہ کثیر اور مغربیوں میں کئی مفکر اسی طرزِ فکر کے حامی نظر آتے ہیں۔ عیسائیوں کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام کی ــ نعوذ باللہ ــ اصل تعلیم بھی یہی تھی یعنی یہ کہ اس معرکۂ حیات میں، اس کارزارِ خیر و شر میں اس بری دنیا کو چھوڑ کر "آسمانی باپ" کی طرف جتنا جلدی رجوع کیا جائے اتنا بہتر ہے۔ اگر اس کارزار میں کوئی فتحمندی کی صورت ہو سکتی ہے تو وہ صرف خدا ہی کر سکتا ہے۔ انسان تو اس میں بالکل بے بس ہے۔

اس کے عین برخلاف اقبال کے نزدیک زندگی کی رو کے پھیلاؤ کا سبب اسی مسلسل چیلنج اور معرکہ میں مضمر ہے جس کو اخلاقی سطح پر کارزارِ خیر و شر کہتے ہیں بغیر اس مخالفت کے، بغیر اس تصادم کے، ذرہ بھر آگے بڑھنا ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پہلے تو اقبال زمانے کی ایسی تعریف کرتا ہے جس کی ہر آن نئی اور اس آن میں ہر شان نئی ہے۔ ہر لمحہ نئے نئے غیر متناہی امکانات ہمارے سامنے کھول دیتا ہے۔ اور ان امکانات میں سے ہم کسے اختیار کرتے ہیں اور بروئے کار لاتے ہیں یہ امتحان بھی ہمارے لئے ہر لمحہ نیا ہوتا ہے اقبال نے زمانے پر اور اس کی قیمت پر بہت کچھ لکھا ہے لیکن اس بارے میں اس کا شاہکار بال جبریل میں وہ مشہور نظم ہے جس کا نام مسجد قرطبہ ہے۔ اسے غور سے مطالعہ کرنا چاہئے۔

لیکن ان لامتناہی امکانات کی پیدائش اور بالخصوص ان کا بروئے کار آنا بغیر رزمِ خیر و شر کے ممکن نہیں اس کے بغیر زندگی خود گھٹ کر رہ جاتی ہے۔ اقبال کہتا ہے:۔

میارا بزم بر ساحل کہ آنجا نوائے زندگانی نرم خیز است

بدریا غلط و با موجش در آویز حیاتِ جاوداں اندر ستیز است

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ اشعار ہمیں اساسی طور پر RISK یعنی ایک با مقصد خطرہ مول لینا اور شر کا سامنا کرنا سکھاتے ہیں۔ اس دلیل سے یہ ثابت ہوا کہ نیکی یا اچھائی اس رویے کا نام ہرگز ہرگز نہیں جس میں شر کا مقابلہ کرنے سے پہلو تہی کی گئی ہو یا جس میں ایک نام نہاد نیکی کے نام پر زندگی کے مثبت امکانات کو یا ختم کر دیا جائے یا گھٹا کر رکھ دیا جائے جو شخص یا قوم نیکی یا تقویٰ کا ایسا منفی تصور پیدا کرے وہ اقبال کے نزدیک خدا اور اس کی خالقیت کی شاید سب سے بڑی مجرم ہے۔ اور ہم ابھی دیکھیں گے کہ معاملے کی بعینہ یہی صورت قرآن کے نزدیک بھی ہے۔ جبریل و ابلیس کے مکالمہ میں ابلیس جبریل کو کہتا ہے :۔

میری جرأت سے ہے مشت خاک میں ذوق نمو.....

دیکھتا ہے تو فقط ساحل سے رزم خیر و شر

کون طوفاں کے طمانچے کھا رہا ہے، میں کہ تو؟

لیکن شاید آپ اقبال کے جبریل و ابلیس کو ایک شاعر اور سیکولر (SECULAR) مفکر کی پرواز خیال سمجھیں تو آیئے ذرا ایک لمحہ قرآن کے اوراق الٹ کے دیکھیں۔ یہ وحی آسمانی ہمیں اس مسئلہ کے متعلق کیا بتاتی ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ جب اللہ نے حضرت انسان کی تخلیق کا ارادہ کیا تو فرشتوں کا وفد خدا کے پاس گیا اور عرض کیا کہ اے رب! تو ایسی مخلوق پیدا کر رہا ہے جو زمین پر فساد پھیلائے گی۔ اور خونریزی کرے گی اور ہم تو تیری حمد کے گیت گاتے رہتے ہیں اور تیری تقدیس کرتے ہیں۔ یعنی تیرا ہر حکم بجا لاتے ہیں پھر اس مخلوق کے پیدا کرنے کا کیا مطلب ہے؟ قال انی اعلم ما لا تعلمون۔ خدا نے فرمایا "میں وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔" ذرا غور فرمایئے۔ خدا نے اس حقیقت سے انکار نہیں کیا کہ انسان سے غلطیاں سرزد ہوں گی، یہ نہیں کہا کہ انسان فرشتوں سے بھی بڑھ کر پاک ہے۔ بلکہ یہ بات بھی تو ہمیں قرآن نے ہی بتائی کہ جب سے انسان پیدا ہوا تب سے ہی شیطان بھی پیدا ہوا۔ انسان سے پہلے شیطان بھی تو نہ تھا۔ یعنی جو ہستی شیطان بنی وہ تخلیق آدم سے پہلے شیطان نہ تھی کچھ اور تھی تو پھر آخر اس سارے ڈرامے کا راز کیا ہے؟ انسان کے پہلو بہ پہلو شیطان کا جنم لینا فرشتوں کا دربار باری میں اس نئی مخلوق کی تجویز پر احتجاج کرنا۔ اللہ کا اس بات سے انکار نہ کرنا کہ انسان سے غلطیاں سرزد ہوں گی لیکن اپنے لامتناہی علم کی بنیاد پر اس احتجاج کو ٹھکرا دینا اور اس مخلوق کا معرض وجود میں لے آنا ۔۔۔ ان سب کا آخر کیا مطلب ہے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سوال کا جواب آپ کو قرآن کی اس آیت میں ملے گا جس میں خدا فرماتا ہے کہ ہم نے اپنی امانت زمینوں اور آسمانوں کو پیش کی لیکن انہوں نے اسے قبول کرنے کی جرأت نہ کی اور آخر انسان نے اسے قبول کر لیا۔ وہ امانت کیا ہے۔ جس کی مناسب جگہ پیدا کرنے کے لئے جس کا مناسب محل بنانے کے لئے پیکر انسانی کی تعمیر کی جا رہی ہے اور اپنے فرشتوں کے مشورہ کو رد کیا جا رہا ہے؟ وہ کیا ہو سکتا ہے سوائے اس قوت تخلیق کے جس کا اولین محل ذات باری ہے اور پھر اس کا براہ راست خلیفہ حضرت انسان۔ اگر انسان اس فریضے کو انجام دیتا ہے اور صالح تخلیقی عمل کرتا ہے۔ یعنی دائمی اقدار کے لئے مادی علمی اور روحانی مواد فراوانی کے ساتھ پیدا کرتا ہے۔ تو ان لامتناہی امکانات کو بروئے کار لا سکے گا جو خدا نے بطور امانت اس میں ودیعت کئے ہیں۔ ایسا شخص خدا کا بندہ اور ایسی قوم "خیر امۃ اخرجت للناس" ہے خدا نے زندگی کی رو کے اس بے پناہ پھیلاؤ کے لئے سب سامان مہیا کر دیا ہے۔ انسان کی تخلیقی قوت۔ اس کے لامتناہی امکانات اس کا اختیار اور ان سب کی اولین شرط یعنی معرکۂ خیر و شر۔ اب آپ خود فیصلہ کریں کہ کیا اقبال کا فلسفہ شرعین قرآنی نہیں؟ اگر آپ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات کا مطالعہ فرمائیں گے تو آپ کو وہاں بھی بالکل یہی نظریہ ملے گا اس سلسلہ میں یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ مجدد صاحب اور اقبال دونوں نے منصب نبوت اور بالخصوص رسالت مآب محمد رسول اللہ صلعم کے اس دنیا کی طرف مثبت رد یے کو انسانی ہدایت کے پروگرام میں بالکل مرکزی حیثیت دی ہے۔ اور رسول کریم ص کی تعلیمات کو اس منفی نیکی اور تقویٰ سے بالکل اور قطعاً جدا کیا ہے جس کے نزدیک گناہ کے خوف کے تحت اور گناہ کے ظنی ارتکاب سے بچنے کے لئے مثبت انسانی ترقی کے امکانات کو ختم کرنا بہتر تصور کیا جاتا ہے۔ دراصل اس آخری موقف کا منطقی نتیجہ تو خودکشی ہونا چاہئے کیونکہ موت طاری کر کے تو انسان یقینی طور پر بدی کے منطقہ سے بچ سکتا ہے۔ لیکن یہ نظریہ اقبال اور قرآن دونوں کی ضد ہے۔

© rasailojaraid.com